۳۲

جوش کی بجائے صبر اور دُعاؤں سے کام لو

جلسہ سالانہ پر دوسروں کو بھی ساتھ لاؤ

(فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۳۳ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

آج میرا ارادہ تو یہی تھا کہ جلسہ سالانہ کے متعلق دوستوں کو توجہ دلاؤں۔ اور انہیں تحریک کروں کہ اس کیلئے تیاری شروع کردیں۔ لیکن رات کو مجھے ایک ایسی اطلاع ملی جس کی وجہ سے میں نے ضروری سمجھا کہ اگر جلسہ کیلئے خطبہ کو ملتوی نہ کروں تو کم سے کم اس معاملہ کو بھی اس میں شامل کرلوں۔ کئی لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول پر بھی کیا کرتے تھے اور مجھ پر بھی کہ بعض اوقات بغیر تحقیق کے بات بیان کردی جاتی ہے۔ اور بغیر اس کے کہ دوسرے فریق کے بیانات کو سنا جائے اس کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کردیئے جاتے ہیں۔ اگر تو بات اسی طرح ہو جس طرح معترض کہتے ہیں تو بیشک یہ قابلِ اعتراض امر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ نہ تو حضرت خلیفۃ المسیح الاول کا منشاء سمجھتے تھے، اور نہ ہی میرے طریق کو سمجھتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات ایسے امور جن کا تعلق قومی تربیت یا جماعتی عزت کے ساتھ بہت ہی گہرا ہوتا ہے۔ ان کے متعلق بغیر اس کے کہ انہیں صحیح تسلیم کیا جائے اور بغیر اس کے کہ ان کے متعلق قضائی فیصلہ صادر کیا جائے ضروری ہوتا ہے کہ اس موقع سے

فائدہ اٹھا کر اظہارِ خیال کردیا جائے- اس کے یہ معنے ہرگز نہیں ہوتے کہ ہم اس واقعہ کو اسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح وہ پیش کیا جاتا ہے- بلکہ یہ فرض کرکے کہ اگر ایسا ہو یا یہ کہ ممکن ہے ایسا ہوسکے یا انسانی کمزوریاں جماعت کے کسی فرد کو اس کی طرف مائل کردیں- اس لئے قبل از وقت جماعت کو بیدار کرنے کیلئے اظہارِ خیال کردیا جاتا ہے- یہ اظہارِ خیال یہ تسلیم کرکے نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ صحیح ہے- بلکہ اس لئے کہ جماعت کے کمزور لوگوں سے ایسے واقعات صادر ہوسکتے ہیں- اور یہ واقعہ ایک تحریک ہے جس سے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جماعت کو بیدار کردیا جائے- پس اس تمہید کے ساتھ کمزور طبائع کے شکوک کو دور کرتے ہوئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ کہا جاتا ہے- احرار کے ساتھ تعلق رکھنے والے جو لوگ یہاں ہیں- ان میں سے کسی کو کسی احمدی نے مارا ہے- میں نے اس کے متعلق واقعات معلوم نہیں کئے اور نہ گواہیاں لی ہیں- اور نہ ان حالات میں کہ ان لوگوں نے ہماری قضاء سے فائدہ نہیں اُٹھانا' مجھے گواہیاں لینے کی ضرورت ہے- پس نہ تو ماضی میرے علم کا ذریعہ ہے اور نہ مستقبل میں اس واقعہ کے متعلق میرے علم کا کوئی امکان ہے- مگر جماعت کی اصلاح اور اس کے اخلاق اور تربیت کی صحیح راہنمائی کیلئے میں سمجھتا ہوں کہ جماعت کو اپنے خیالات سے آگاہ کردوں- میں نے متواتر یہ بات بیان کی ہے اور میں سمجھتا ہوں- اپنی ذمہ داریوں کے لحاظ سے اگر اسے پہلے کئی سو بار بھی بیان کرچکا ہوں تو بھی مجھے بیان کرتے رہنا چاہیئے کہ روحانی سلسلوں کی بنیاد الٰہی افعال پر ہوتی ہے- ان سے پہلے بھی دنیا میں حکومتیں ہوتی ہیں' بادشاہتیں ہوتی ہیں' منصف بھی اور ظالم بھی- ان سے پہلے بھی جتھے ہوتے ہیں' منصف بھی اور ظالم بھی- کمیٹیاں اور نظام ہوتے ہیں- جن میں منصف بھی ہوتے ہیں اور ظالم بھی- لیکن باوجود اس کے کہ دنیا میں اچھے بھی اور بُرے بھی' دونوں قسم کے نظام موجود ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کو نیا نظام قائم کرنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے- یہی کہ اچھے نظاموں کی بنیاد انصاف پر ہوتی ہے اور بروں کی ظلم پر- آسمانی بادشاہت ظلم کی برداشت نہیں کرسکتی مگر وہ انصاف سے بھی تسلی نہیں پاسکتی- دنیا کے لوگوں میں سے اچھے انصاف کو دیکھ کر اور بُرے ظلم کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں- لیکن آسمان کے فرشتے پھر بھی روتے ہیں- کیونکہ وہ روحانیت کی بادشاہت دیکھنا چاہتے ہیں- وہ ایسا نظام دیکھنا چاہتے ہیں جس کی بنیاد رحم پر ہو- نوشیرواں؎ کو بہترین عادل بادشاہ سمجھا جاتا ہے حتیٰ کہ رسول کریم ﷺ نے بھی اس کی تعریف کی ہے- بلکہ اس بات پر فخر کیا ہے کہ آپ

اس زمانہ میں پیدا ہوئے ہے۔ لیکن اگر عدل و انصاف ہی کافی ہوتا تو ایسی عادلانہ حکومت کے بعد اللہ تعالیٰ کو رسول کریمؐ کے ذریعہ ایک نیا نظام قائم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس کی اور اسلام کی حکومت ایک سی تھی۔ اور اسلام نے حکومت کے لحاظ سے دنیا میں آکر اس سے زائد کوئی نئی چیز پیش نہیں کی۔ عدل کے لحاظ سے تو کسی چیز کی ضرورت نہ تھی مگر آسمانی بادشاہت عدل پر خوش نہیں ہوسکتی۔ عدل کا دائرہ اخلاق پر ختم ہوجاتا ہے۔ اور اخلاق کادائرہ عدل سے اوپر نہیں چڑھ سکتا لیکن روحانیت ایک ایسی چیز ہے کہ نہ عدل اس کی تسلی کرسکتا ہے اور نہ روحانیت اس سے تسلی پاسکتی ہے۔ روحانیت کی بنیاد قربانی پر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس چیز پر عیسائی خوش ہوتے ہیں' وہ تو حقیقت میں کوئی بڑی چیز نہیں۔ عدل تو صرف انسانی عقل کی ضرورت کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ انسان محض اس ڈر سے کہ فساد نہ پیدا ہو' دوسرے کا حق نہیں دباتا اور اس کے ساتھ عدل کابرتاؤ کرتا ہے۔ اس کیلئے آسمانی راہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں۔ آسمانی راہنمائی کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں انسان سمجھے کہ میں نے جو کچھ کرنا تھا کرلیا۔ اس سے آگے میری عقل نہیں چل سکتی۔ تب آسمان سے اسے ایک نیا رستہ بتایا جاتا ہے۔ یہی ضرورت ہے آسمانی بادشاہت کی' خداتعالیٰ کے مرسلین کی اور اس کی کتابوں کی۔ ہم اگر یہ تسلیم کرلیں کہ وہ بھی عقل کی حد تک آکر ختم ہوجاتی ہیں تو پھران کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ عقل کہتی ہے کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ نیکی کرے تو اس کے ساتھ تم بھی نیک سلوک کرو۔ اور اگر کوئی ظلم یا شرارت کرے تو اسے اتنی سزا تم بھی دے دو۔ اگر کسی نے تمہاری حق تلفی نہیں کی تو تم بھی اس کا حق نہ مارو۔ لیکن یہ نہیں کہتی کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرتا ہے تو اسے معاف کردو خواہ کوئی تمہارا بدخواہ ہو' اس سے نیک سلوک کرو' دوسروں پر احسان کرو۔ اور حقیقی احسان یہی ہے کہ احسان کرنے والے کو بظاہر کوئی امید نہیں ہوتی کہ اس کے بدلہ میں اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔ مگر یہ ایک ایسی خوبی ہے جسے آسمانی بادشاہت ہی ظاہر کرسکتی ہے' انسانی عقل اس سے معذور ہے۔ جب انسان کہتا ہے کہ میں ایسا کیوں کروں تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے بے شک تم عقل سے اس فعل کی حکمت کو نہیں سمجھ سکتے' مگراس کا نتیجہ تمہیں میری طرف سے ملے گا۔

پس جو روحانی جماعتیں ہوتی ہیں' وہ اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ اخلاق کے ایسے

نمونے قائم کریں جو آسمان چاہتا ہے' وہ نہیں جو فلاسفر بتاتے ہیں- جب محمد رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے یہ کہا کہ ظلم مت کرو تو اس تعلیم میں آپ منفرد نہ تھے- حتّٰی کہ تمام انبیاء اس میں منفرد نہیں ہیں- یونان' عرب' یورپ' ہندوستان' مصر ہر جگہ اور ہر ملک کے فلاسفر یہی کہتے آئے ہیں- لیکن جس مقام سے دونوں جُدا ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کہتے ہیں جہاں بظاہر تم اپنی تباہی سمجھتے ہو وہاں بھی خاموش رہو - اور یہ وہ بات ہے جو فلاسفر نہیں کہتے- فلاسفر تو عقل سے آگے کوئی چیز مانتا ہی نہیں- اس لئے یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو- اور یہی وہ چیز ہے جس کیلئے مذہب قائم کیا جاتا ہے- اور اسے قائم کرکے ہی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنا مقصد پورا کردیا- محض چندے دینے سے ہمارا مقصد پورا نہیں ہوتا- چندے دینے میں دوسرے لوگ ہم سے بہت زیادہ قربانی کرتے ہیں- ہماری جماعت میں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے دین کیلئے اپنی جائدادیں وقف کی ہوں- لیکن یورپ میں لاکھوں اوقاف ہیں- کئی بار ہم نے اخباروں میں پڑھا ہے' کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اس کا ترکہ بیس تیس لاکھ کا ہوتا ہے- مگر اپنی زندگی میں اس نے جو خیرات کی اس کی میزان تیس چالیس کروڑ تک پہنچتی ہے- پس مالی قربانی ایسی چیز ہے کہ لوگ مذہب سے باہر بھی کرتے آئے ہیں اور کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے- جس چیز سے وہ لوگ خالی ہیں وہ ایسی قربانی ہے جس کا نتیجہ دنیا میں کوئی نہیں نظر آتا- جس میں بظاہر تباہی نظر آتی ہے مگر مومن سمجھتا ہے کہ گو دنیا میں وہ ایک بظاہر بے فائدہ فعل کررہا ہے لیکن ایک آسمانی بادشاہت ہے جو اس کا نتیجہ پیدا کرے گی- اور یہی وہ چیز ہے جسے قائم کرنے کیلئے ہم کھڑے کئے گئے ہیں- اس کی بجائے ہم اگر سطحی باتوں کو دیکھیں تو خدا کو خوش نہیں کرسکتے- اسی لئے میں نے بارہا یہ نصیحت کی ہے کہ مؤمن کا مظلوم ہونا اس کے ظالم بلکہ عادل ہونے سے بھی بہتر ہے- اس لئے قطع نظر اس سے کہ یہ واقعہ کیا ہے اور محض یہ فرض کرتے ہوئے کہ ہمارے کسی آدمی کی غلطی ہوگی' میں اعلیٰ افسروں کو کہ وہ جماعت کی تربیت کے ذمہ دار ہیں اور مقامی ینگ مینز ایسوسی ایشن (YOUNG MENS ASSOCIATION) کو کہ اس نے اپنی خوشی سے اس کیلئے تعاون شروع کیا ہے اور طوعاً ایک فرض اپنے ذمہ لیا ہے توجہ دلاتا ہوں کہ مذہبی اور اخلاقی حفاظت جسمانی حفاظت سے بھی زیادہ ضروری ہے- رسول کریم ﷺ کے واقعات زندگی کو دیکھو- ان کا مطالعہ کرکے ہر شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ سب سے زیادہ

اثر ان ایام کے واقعات کا ہے جب آپ تکالیف اٹھا رہے تھے- آپ کی مکی زندگی پر دشمن بھی آنکھیں بند کرلیتے ہیں- مگر مدنی زندگی پر کہ جب کچھ شان و شوکت اور طاقت آگئی تھی' اعتراض شروع کردیتے ہیں- حالانکہ وہ بھی ویسی ہی پاک ہے جیسے مکی زندگی مگر اس کے دیکھنے کیلئے ایمان کی آنکھ ضروری ہے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو یہی تعلیم دی ہے کہ وہ ہر حال میں صبر سے کام لے- یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ دوسرے نے اشتعال دلایا اور ابتداء کی- چاہیئے کہ ہمارے اعمال ایسے پاک ہوں کہ سوائے اس کے کہ دشمن سراسر جھوٹ بولے اسے اعتراض یا حرف گیری کا کوئی بہانہ نہ ملے- بعض لوگ فریب سے جھوٹ بنالیتے ہیں- یہ علیحدہ بات ہے اور اس کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں- لیکن ہماری طرف سے کوئی ادنیٰ موقع بھی دوسروں کیلئے اعتراض کا نہیں ہونا چاہیئے- ہاں جب حقیقی نقصان ہو رہا ہو اس وقت ہر مومن سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی عزت' مال' اولاد' دوست' رشتہ دار' وطن غرضیکہ کسی چیز کی پرواہ نہ کرے بلکہ صرف یہ مدنظر رکھے کہ یا تو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے فتح دے یا پھر اخروی زندگی میں- غرض شکست کا نام تک بھی ہم نہ سنیں- لیکن عارضی چیزوں کو انسان کو خوامخواہ ایسے مقام پر کھڑا نہیں کرنا چاہیئے جو اعتراض کا موجب ہوں- میرے نزدیک یہ نہایت ہی ذلیل سی بات ہے کہ کوئی دشمن اگر یہاں آتا ہے تو بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ کوئی شرارت نہ پیدا کرے- مگر وہ کیوں کوشش نہیں کرتے کہ وہ بھی احمدی ہوجائے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام اسد اللہ رکھا گیا ہے- اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شیر کا بچہ شیر ہی ہوا کرتا ہے' گیدڑ نہیں- پھر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جب آپ کو اسد اللہ کہا گیا تو یہ نہیں کہ آپ کو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ کوئی پنجے دیئے گئے تھے بلکہ آپ جس چیز سے دشمنوں کو مغلوب کرتے تھے وہ دلائل تھے- گویا آپ دلائل کے شیر تھے- اگر کوئی تمہاری کچھار میں آتا ہے تو کیوں اسے دلائل سے قائل نہیں کرلیتے- کیا کوئی شیر کے غار میں جاکر بچ سکتا ہے-

پس جس قسم کے تم شیر ہو اور جو ہتھیار تمہیں دئے گئے ہیں' ان کا شکار یہاں آنے والے دشمن کو بناؤ- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہتھیار کیا تھے- آپ دلائل اور دعاؤں کے شیر تھے- اور آپ انہی چیزوں سے حملے کرتے تھے- اور تم میں سے ہر ایک جو پیدائشی احمدی نہیں' وہ پہلے ان ہی حملوں کا شکار ہوا تھا- حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق جو

آتا ہے کہ آپ مُردے زندہ کرتے تھے- اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ بھی اس قسم کے شیر تھے- پہلے وہ مارتے تھے پھر زندہ کرتے تھے یعنی نئی زندگی عطا کرتے تھے- پس گھبرانے کی کیا بات ہے- وہ خدا جس نے پچیس سال قبل افغانستان میں انقلاب کی خبر دی تھی- جس نے بتایا تھا کہ وہاں ہمارے بھائی اس طرح مارے جائیں گے- اور پھر ظلم کا انجام بھی بتادیا تھا' وہ اب بھی موجود ہے- افغانستان کے متعلق بتائے ہوئے واقعات کے پورا کرنے میں کیا تمہارا کوئی دخل ہے- کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے اس کیلئے کوئی کام کیا ہو- امان اللہ خان کو تباہ کرنے میں مدد دی یا نادرشاہ کی امداد کی یا اس مصیبت کو وارد کیا جس کی ظلم کے نتیجہ میں پیدا ہونے کی خبر پیش از وقت دی گئی تھی- پس سوچو کہ جس خدا نے افغانستان کے تخت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق اُلٹ دیا کیا تم سمجھتے ہو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تخت گاہ کا وہ خدا نہیں کہ یہاں احراری آئیں اور تمہارے اندر کسی قسم کی گھبراہٹ پیدا ہو- یاد رکھو احراری تو کیا خواہ دنیا کے بادشاہ بھی مخالفانہ ارادوں سے یہاں آئیں' ڈرنے کی کوئی بات نہیں- یہ مانا کہ وہ ہم کو مار سکیں گے مگر خود بھی زندہ نہیں رہ سکتے- پھر کوئی اور قوم پیدا ہوگی جس کے ہاتھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جھنڈا ہوگا- وہ ہمیں مار سکتے ہیں مگر اس جھنڈے کو نیچے نہیں کرسکتے- احراریوں کی تو کیا حیثیت ہے کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ خواہ سب دنیا کے بادشاہ کھڑے ہوجائیں تب بھی وہ اس جھنڈے کو نہیں جھکاسکتے- پس تم اپنے کسی دشمن سے مت گھبراؤ کیونکہ تمہارے پاس وہ طاقت ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا- بلی اور چوہا کا باہم کتنا بَیر ہے- مگر وہ بھی اس کے متعلق وسعت قلبی سے کام لیتی ہے- کیونکہ وہ جانتی ہے کہ میرے جھپٹے کی مار ہے- تمہارے ہاتھوں میں وہ طاقت نہیں جو دعاؤں میں ہے- اور اگر تم دعاؤں سے کام لو تو ہاتھوں کی طاقت کی ضرورت ہی نہیں رہے گی- اِلاَّ مَاشَاءَ اللّٰہ کہ خدا کا یہی منشاء ہو- لیکن اس صورت میں اَلْاِمَامُ جُنَّۃٌ یُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِہٖ ۴؎ پر عمل ہوگا-

پس جماعت کے ذمہ دار لوگوں کا فرض ہے کہ جماعت کی اخلاقی حالت کا خیال رکھیں- یہ کہنا صحیح نہیں کہ کوئی نوجوان تھا- جس کی طرف فلاں غلطی منسوب کی گئی' نوجوانوں کے بھی ہم ذمہ دار ہیں- قرآن شریف میں آتا ہے- قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا ۵؎ - پس اگر ہم میں سے کوئی قابلِ اعتراض حرکت کرے خواہ لاعلمی سے ہی کرے تو بھی ہم اس کی

ندامت سے نہیں بچ سکتے کیونکہ یہ ہماری ماضی کی کوتاہیوں کا نتیجہ ہوگا- پس میں صدر انجمن احمدیہ لوکل کمیٹی اور ینگ مینز ایسوسی ایشن کو ان کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتا ہوں- جماعت کو روحانی اور اخلاقی طریق پر چلانا ان کے ذمہ ہے- ہمارے ہاتھ میں خداتعالیٰ نے ایسی چیز دی ہے کہ گویا پرانے زمانہ کی کہانیوں میں بیان کردہ واقعات کو سچ کردکھایا ہے- اور وہ آج ہمارے لئے صداقتیں ہیں- کہانیوں میں آتا ہے کہ کوئی دیو کسی پر مہربان ہوگیا اور اسے اپنے بال دے کر کہا کہ اگر تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو انہیں گرمی پہنچانا ہم آجائیں گے لیکن یہ سب جھوٹی باتیں ہیں- دیو بھی جھوٹ بال بھی جھوٹ اور اس کا آنا بھی جھوٹ تھا- لیکن کیا اس ہستی کے آموجود ہونے میں کوئی شبہ ہے- جس نے خود بتایا ہے کہ- وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ٦ - ایک طاقتور ہستی ایسی ہے کہ اس سے صرف سوال کی ضرورت ہے- صرف یہ کہنے کی دیر ہے کہ حضور آجائیے اور وہ کہتا ہے میں آجاتا ہوں- پس اگر کوئی ایسی مشکل ہو جسے ہم اخلاقی اور قانونی طور پر دور نہیں کرسکتے تو خداتعالیٰ سے دعائیں کرو- حضرت نظام الدین اولیاء کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے زمانہ میں ایک بادشاہ ان کا مخالف ہوگیا- وہ کسی کام کیلئے باہر جارہا تھا- اس نے کہا ہم واپس آکر سزا دیں گے- جب اس کی واپسی شروع ہوئی تو آپ کے عقیدت مندوں میں گھبراہٹ پیدا ہونے لگی- اور انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ حضور امراء وغیرہ سے سفارش کرائیں تا بادشاہ کا عتاب دور ہو- مگر آپ ہر بار یہی کہتے کہ خیر دیکھاجائے گا- ہنوز دلی دور است- حتّٰی کہ بادشاہ شہر کے پاس پہنچ گیا- اور اسلامی بادشاہوں کے طریق کے مطابق شہر سے باہر رات رہا- صبح شہر میں داخل ہونے والا تھا- رات کو بھی آپ کے مریدوں نے کہا کہ کچھ انتظام کیجئے مگر پھر بھی آپ نے یہی جواب دیا کہ ہنوز دلی دور است- جب صبح ہوئی تو بجائے بادشاہ کے شہر میں ورود کے اس کی موت کی خبر پہنچی ٧ - ہم جس خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ عجیب طاقتوں کا مالک ہے- مجھے تو شرم آتی ہے کہ ایسے لوگوں کے متعلق مَیں کیا خطبہ پڑھوں ان کی ہستی ہی کیا ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے- اگر ہمارا خدا سے تعلق ہو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

پس اس کو محفوظ رکھو- اور پھر تمہاری سوئی بھی ضائع نہیں ہوسکتی- چہ جائیکہ تمہیں کوئی نقصان پہنچاسکے- کیونکہ سوئی بلکہ بوٹ کا تسمہ بھی ”سب کچھ“ میں شامل ہے- پس چاہیئے کہ تقویٰ کو قائم کرو- میں ہر ذمہ دار طبقہ کو خواہ وہ صدر انجمن احمدیہ ہو یا لوکل کمیٹی یا ینگ مینز ایسوسی ایشن نصیحت کرتا ہوں کہ ہمارے افعال کی بنیاد تقویٰ پر ہونی چاہیئے- چھوٹوں کی غلطی کی وجہ سے بڑوں کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے- اگر وہ کہیں کہ ہمیں علم نہیں تو اس کے معنے یہ ہیں کہ اپنے افراد پر ذمہ دار لوگوں کا اقتدار نہیں- اگر علم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود بھی شامل ہیں- رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی تیز طبیعت کے لوگ ہوتے تھے- حضرت خالد بن ولید فتح مکہ کے وقت نومسلم اور پھر جوشیلی طبیعت رکھتے تھے- آپ نے مکہ میں تلوار چلائی- آج تک لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اشارہ سے ہی ایسا کیا ہوگا- تیرہ سوسال تک اولیاء اللہ اس اعتراض کے دفعیہ میں لگے رہے ہیں- اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس کے جواب میں وقت صرف کیا ہے- حالانکہ محمد رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تک نہ تھا- ایک جوشیلے نومسلم نے ایک حرکت کی جس کا جواب تیرہ سوسال سے دیا جارہا ہے- پس جن باتوں سے پہلے لوگ گزر چکے ہیں اور جن الزامات کو دور کرنے کیلئے ایک لمبا وقت صرف کیا جاچکا ہے تو کیا ہی عجیب بات ہوگی کہ جب لوگ ان باتوں کو چھوڑ دیں اور جب ثابت ہوجائے- کہ رسول کریم ﷺ کا ایسی باتوں سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ آپ اس بات پر ناراض ہوئے تھے تو نیا جھگڑا شروع ہوجائے کہ اچھا تم کیوں ایسا کرتے ہو- اور پھر ہماری اولادوں کو ہم پر سے یہ اعتراض دور کرنے کیلئے وقت خرچ کرنا پڑے اور جب ہم پر سے یہ دور ہوجائے تو آئندہ آنے والے مأمور کی جماعت پر یہ ہونے لگ جائے- اور پھر ان کی اولادیں ان پر سے دور کرنے میں لگی رہیں- اس لئے جوشیلے نوجوانوں کا قابو میں رکھنا بھی فرض ہے- جھوٹ تو سب کے متعلق بولا جاسکتا ہے حتّٰی کہ رسول کریم ﷺ کی مظلومیت کو بھی متعصب لوگوں نے ظلم قرار دے دیا ہے- غرض اگر کوئی جھوٹ پر کمر باندھ لیتا ہے تو اس کا کوئی علاج کسی کے پاس نہیں- مگر اپنی طرف سے ایسا موقع نہیں دینا چاہیئے کہ ہمارا سچ مشتبہ ہو اور بہترین چیز تو یہ کہ تم اس چیز کو رہنے ہی کیوں دیتے ہو جس سے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں- کیوں معترضین کو بھی اپنے ساتھ صداقت میں شامل نہیں کرلیتے- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے بعد ہم نے کتنے

نشانات آپ کی صداقت کے دیکھے ہیں۔ جنگ عظیم، انفلوئنزا، انقلابِ افغانستان، تائی صاحبہ کا احمدیت میں داخل ہونا، ہمارے بڑے بھائی کا احمدی ہونا اور اس طرح تین کا چار کرنا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی کے بعد تو آپ کے ہاں لڑکا پیدا نہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے یہ الہام اسی رنگ میں پورا ہوسکتا تھا۔ غرض اتنے نشانات ہیں کہ ایک منٹ کیلئے بھی اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ سلسلہ بندوں کا محتاج نہیں اور ان میں سے بھی نوجوانوں اور پھر ان میں سے نفس پر قابو نہ رکھ سکنے والے نوجوانوں کا۔ یہ خدا کا کام ہے۔ پس اس طریق سے چلو جو اس نے بتایا ہے۔ یعنی وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ[8] صبر سے ظلم کو برداشت کرو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک الہام ہے۔ لَا نُبْقِي لَكَ مِنَ الْمُخْزِيَاتِ ذِكْرًا[9] یعنی تجھے ذلیل کرنے والی چیزیں ہم باقی نہیں رہنے دیں گے۔ اور جب اس قدر الہامات کا پورا ہونا ہم دیکھ چکے ہیں تو اس کی صداقت میں کس طرح شبہ کرسکتے ہیں۔ اگر احرار کی کارروائیاں آپ کی سبکی کا موجب ہوسکتی ہیں تو یہ یقینی امر ہے کہ وہ باقی نہیں رہ سکتے۔ خواہ تباہ ہوجائیں اور خواہ احمدی ہوجائیں۔ پس یہ بات تو ہو کر رہے گی۔ جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بدنامی کا موجب بنے ہیں وہ یقیناً تباہ ہوجائیں گے۔ خواہ آسمانی حملوں سے ہوں خواہ زمینی حملوں سے۔ دنیا میں بادشاہ مل کر بھی ان کی عزت قائم نہیں کرسکتے۔ اس لئے گھبراہٹ کا طریق اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کوشش کرو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تلوار سے مارے جانے کی بجائے اس کے رحم کے مستحق بنیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر ایک عرب سردار جو بہت محسن آدمی تھا، رسول کریم ﷺ کی داڑھی کو ہاتھ میں لیکر مشفقانہ انداز میں کہہ رہا تھا کہ دیکھو بچہ۔ اس پر ایک صحابی نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا کہ پیچھے ہٹاؤ۔ اس نے اس کی طرف دیکھا اور کہا تمہیں یاد ہے تم فلاں وقت میں مصیبت میں تھے اور میں نے تم پر احسان کیا تھا۔ اس پر وہ صحابی پیچھے ہٹے اور صحابہ کا جو اس وقت موجود تھے۔ بیان ہے کہ ہم سب نے محسوس کیا کہ ہم سب اس کے زیرِ احسان ہیں۔ اس پر اس نے پھر ہاتھ بڑھایا تو حضرت ابوبکرؓ نے اسے ہٹایا۔ اس نے آپ کی طرف دیکھا اور کہا ہاں تم پر میرا کوئی احسان نہیں[10]۔ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ باقی سب اس کے احسان کے نیچے ہیں اس لئے کوئی اسے روک نہیں سکے گا۔ تو جب کافر کے احسان سے آنکھ اوپر نہیں اٹھ سکتی تو خدا کے احسان کے بعد انسان کس طرح سرکشی کرسکتا ہے۔ پس

کوشش کرو ان لوگوں کو زیر احسان بناؤ- انہیں اپنے دلائل کا شکار کرو- اور کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہ کرو کیونکہ فتح بہرحال ہمارے لئے مقدر ہے- دوسری چیز جلسہ سالانہ ہے- اس کے متعلق اختصار کے ساتھ یہ کہہ دیتا ہوں کہ جلسہ کی تاریخیں قریب آرہی ہیں- اس کیلئے اول چندہ کی ضرورت ہوتی ہے- اور مجھے افسوس ہے کہ اس سال چندہ کی رفتار ست ہے- شاید دوستوں کو عادت ہوگئی ہے کہ میری طرف سے تحریک ہونے پر وہ زیادہ توجہ کرتے ہیں مگر اس سال میں نے تحریک نہیں کی کیونکہ میں اس عادت کو دور کرنا چاہتا ہوں- مجھے جس ہفتہ کی رپورٹ موصول ہوئی ہے گزشتہ سال کے اسی ہفتہ میں چندہ اس سال کی نسبت ڈیوڑھا آچکا تھا- گزشتہ سال اس ہفتہ میں بارہ ہزار آیا تھا- مگر اس سال اس ہفتہ میں آٹھ ہزار آیا ہے- حالانکہ اس سال جس طرح بجٹ بنایا گیا تھا یعنی نادہندوں کی نگرانی اور ست لوگوں سے بھی وصولی کا انتظام کیا گیا تھا' اس کو مدنظر رکھتے ہوئے گزشتہ سالوں کی نسبت آمد زیادہ ہونی چاہیئے تھی- بہرحال یہ کام ہورہا ہے- اور تحریک جاری ہے- اور قادیان والوں نے بھی امید ہے اس میں حصہ لیا ہوگا- میرے پاس جو رپورٹ آئی ہے اس میں یہاں کی جماعت کا نام ان جماعتوں میں تھا جو کام کررہی ہیں- پس جلسہ کیلئے مالی قربانی بھی ضروری ہے- لیکن قادیان والوں کیلئے اس کے علاوہ جسمانی قربانی بھی ہے- یعنی انہیں کام کرنا چاہیئے اور مکانات دینے چاہئیں- مکانوں کے لحاظ سے ہمیں ہر سال دِقت محسوس ہوتی ہے- اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ لوگ باہر سے اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کو لکھ دیتے ہیں کہ مکان چاہیئے اور وہ ان کیلئے انتظام کرلیتے ہیں- اور ان کے آرام کی خاطر جماعت کے آرام کو مدنظر نہیں رکھتے- اس طرح کھلی جگہیں محدود افراد سے رک جاتی ہے- اور جن کے رشتہ دار یہاں نہ ہوں ان کو جگہ ملنی مشکل ہوجاتی ہے- جن لوگوں نے اپنے رشتہ داروں کو جگہ دینی ہو انہیں بھی چاہیئے کہ وہ منتظمین کے ذریعہ دیں- اس سے انہیں یہ بھی فائدہ ہوگا کہ مہمانوں کی خدمت میں انہیں منتظمین کی طرف سے بھی مدد ملے گی- وہ کھانا پہنچائیں گے' پانی' روشنی وغیرہ کا انتظام کریں گے- ایک فائدہ اس کا یہ بھی ہوگا کہ زائد جگہ وہ دوسرے مہمانوں کو دے کر اس سے فائدہ اٹھاسکیں گے- اس لئے دوستوں کو چاہیئے کہ پانچ چھ روز تکلیف اٹھا کر بھی مہمانوں کیلئے جگہ کا انتظام کریں- آخر مہمان بھی تو تکلیف اٹھاتے ہی ہیں- ہمارے ہاں بھی بہت سے مہمان آتے ہیں- اور ہم ایک دو کمرے اپنے لئے رکھ کر سب مکانات ان کے واسطے خالی کردیتے

ہیں- اور بھی سینکڑوں گھروں میں مہمان آتے ہیں- جن کی خاطر وہ تکلیف اٹھاتے ہیں- دوسرے مکانوں والوں کو بھی میں یہی نصیحت کرتا ہوں- ایک نقص یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ اپنے آرام کی خاطر کھانے کی پرچیاں زیادہ تعداد کیلئے لے لیتے ہیں تاکہ بار بار کھانا نہ لانا پڑے- اس طرح کھانا ضائع ہوتا ہے- خواہ کھانا لانے کیلئے دو پھیرے بلکہ اس سے بھی زیادہ کرنے پڑیں دوستوں کو چاہیئے کہ اتنا ہی کھانا لیں کہ جو باقی نہ بچے اور ضائع نہ ہو- پھر ان لوگوں کے سوا جو کسی طرح اپنے کاروبار جلسہ کے ایام میں چھوڑ نہیں سکتے مثلاً دکاندار وغیرہ' باقی سب کو چاہیئے کہ جلسہ کا کام کریں- بلکہ ایسے لوگ بھی کچھ نہ کچھ وقت دے سکتے ہیں- اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان کے کام میں برکت دے گا- پھر مہمانوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنا چاہیئے- کھانا تقسیم کرنے والوں کو چاہیئے کہ کسی سے بدسلوکی نہ کریں تا کسی کو ٹھوکر نہ لگے- یہ نہیں چاہیئے کہ کوئی دوست آیا تو اسے جلد دے دیا- اور ناواقف جو گھنٹہ بھر سے کھڑا ہو اس کی پرواہ نہ کی جائے- اس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہاں بھی کام دیانتداری سے نہیں ہوتا- پھر باہر کے دوستوں کو چاہیئے کہ دوسرے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں اپنے ساتھ لانے کی کوشش کریں- ایسے لوگوں میں سے ہر سال خدا کے فضل سے سات آٹھ سَو آدمی بیعت کرجاتے ہیں- لیکن اب کے ایک دقّت ہے- یعنی رمضان جلسہ کے ایام میں ہے- ہماری جماعت کے لوگ تو جانتے ہیں کہ دینی کاموں کیلئے رمضان کے چند روزے ملتوی بھی کئے جاسکتے ہیں- لیکن دوسروں کو لانے میں یہ دقت ہوگی- یہاں آتے تو وہی لوگ ہیں جو دین سے مس رکھتے ہیں- اور وہ روزے رکھتے ہیں لیکن جو دین سے غافل ہیں وہ آتے ہی نہیں- پھر جو آئیں گے ممکن ہے دوسروں کو روزہ نہ رکھنے کی حالت میں دیکھ کر انہیں ٹھوکر لگے- انہیں کیا معلوم کہ کھانے والوں میں کون مقامی ہے اور کون بیمار یا مسافر یا معذور ہے- اور یہ ایک ایسا ابتلاء ہے جو پہلی بار ہی پیش آئے گا- اس لئے جن لوگوں کو ساتھ لانے کیلئے تیار کیا جائے' چاہیئے کہ ساتھ کے ساتھ انہیں ان مسائل سے بھی آگاہ کردیا جائے- اور ابھی سے انہیں سمجھانا شروع کردیا جائے تا یہاں آکر انہیں دِقت نہ ہو-

ایک حدیث ہے جو دراصل ابوسفیان کا قول تھا- اور رسول کریم ﷺ نے اس کی تصدیق کی ہے- اور اس کے معنے یہ ہیں کہ جنگ ایک ترازو کی طرح ہوتی ہے- جس کا کبھی ایک پلڑا بھاری ہوتا ہے اور کبھی دوسرا[1] - اسی طرح ہماری جماعت ترقی کررہی ہے کبھی کم

کبھی زیادہ۔ مگر ہمارا زور یہی ہونا چاہیئے کہ ہر سال زیادہ سے زیادہ ترقی ہو۔ اور اگر کسی وجہ سے اس سال زیادہ لوگوں کو ہم شامل نہ کرسکے تو گو اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے ماتحت سمجھتے ہوئے ہم صبر کریں گے لیکن ندامت ضرور ہوگی۔ پس آج سے ہی اس کیلئے تیاری شروع کردیں اور ان مسائل سے ان کو آگاہ بھی کرنے لگ جائیں۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا لانا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ ان کے چھٹی کے دن ہوتے ہیں۔ اور ان کے اندر تعصب بھی اس قدر نہیں ہوتا۔ ان کے طبقہ کے معززین انہیں تبلیغ کرسکتے ہیں۔ اور اس کیلئے ان کو جلسہ یا مشاورت کے موقع پر ساتھ لانا بہت مفید ہوسکتا ہے۔ مگر اس طرف ہمارے دوستوں کی توجہ بہت کم ہے۔ بڑے لوگ اس کام میں بہت ست ہیں۔ چھوٹے طبقہ کے لوگ تو اپنے ساتھ دوسروں کو لے آتے ہیں۔ مگر بڑے افسر یا تاجر یا زمیندار اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہماری جماعت میں کم ازکم سات آٹھ سَو آدمی ایسے ہیں جو ملک میں معزز سمجھے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے طبقہ کے لوگوں کو ساتھ لے آئیں تو بہت مفید ہوسکتا ہے۔ پس یہ بھی ایک خاص کام ہے جس کی طرف میں جماعت کے بڑے لوگوں کو متوجہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو بڑے چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں جو متقی ہو وہ معزز ہے۔ لیکن بہرحال یہ دنیا میں ایک امتیاز قائم ہے۔ اور اگر کوئی شیطان کا بچہ اپنا نام عبدالرحمٰن رکھ لے تو بہرحال ہمیں اس کو اسی نام سے پکارنا پڑے گا۔ پس جو لوگ بڑے سمجھے جاتے ہیں انہیں ساتھ لاؤ۔ تا اللہ تعالیٰ ملک کے صنادید کے قلوب کی کھڑکیاں کھولے اور انہیں دیکھ کر دوسرے لوگ بھی متوجہ ہوں۔ اگر کوئی نواب احمدی ہوجائے تو بے شک اس کی تمام رعایا ایمان نہیں لے آئے گی۔ لیکن سو دو سو تو اس کی وجہ سے ضرور احمدی ہوجائیں گے۔ پس ہماری جماعت کے مجسٹریٹ، تحصیل دار، بعض وہ جو ڈپٹی کمشنری کے منصب پر ہیں، اگر وہ اپنے طبقہ کے لوگوں کو ساتھ لائیں تو بہت مفید ہوسکتا ہے۔ بڑے تاجر، بڑے زمیندار، ڈاکٹر، وکلاء، بیرسٹر، سب اپنے اپنے دائرہ کے لوگوں کو لائیں تو سینکڑوں لوگ آسکتے ہیں۔ اور اگر وہ آدھا دن بھی جلسے میں بیٹھیں تو اچھا اثر ہوسکتا ہے۔ چند دوست ایسا کرتے ہیں۔ مثلاً چوہدری ظفراللہ خان صاحب ضرور اپنے ساتھ لاتے ہیں اور بھی بعض دوست ہیں۔ مگر ان کی تعداد محدود ہے۔ ہاں غرباء بہت لاتے ہیں۔ امراء تو بعض اوقات خود بھی سستی کردیتے ہیں۔ اور یہی چیز ہے جو انہیں غرباء سے پیچھے رکھتی ہے۔ اور غرباء اپنے آپ کو آگے بڑھالیتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ نے غرباء کو روحانی ترقی کے بعض طریق بتائے۔

امراء نے بھی ان پر عمل شروع کر دیا۔ غریب صحابہ نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ وہ بھی ایسا کرنے لگے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں خدا کے فضل کو کیسے روک سکتا ہوں۔[۷] ۔ پس اگر امیر چاہیں تو وہ بھی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر وہ خود اپنے لئے رستے بند کر دیتے ہیں۔ اگر وہ ہمت کریں تو ہر سال جلسہ تبلیغ کے دائرہ کو وسیع کر سکتا ہے۔

پس ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے بھائیوں سے سبق حاصل کریں۔ ان کی تعداد سات آٹھ سو ہے اگر وہ ایک ایک دوست کو بھی ساتھ لائیں۔ اور ان میں سے سَو دو سَو ہی بیعت کر لے یا ان کا بغض دور ہو جائے تو تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع ہو سکتا ہے۔ پس خطبہ کا یہ حصہ گو بہت مختصر ہے مگر میں نے تمام ہدایتیں دے دی ہیں۔ اور اصل چیز تو یہی ہے کہ یہاں کے اور باہر کے دوستوں کو چاہیئے کہ اس بات کے لئے دعاؤں سے بہت کام لیں کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے۔ بہت سے لوگ جنت لینے آتے ہیں مگر دال پر لڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور پھر روزہ دار تو اور بھی چڑ چڑا ہو جاتا ہے۔ اس لئے نفس کو زیادہ دبانا پڑے گا۔ باہر کے آدمیوں کو بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ بھوکا شیر زیادہ لڑتا ہے۔ اس لئے اگر روزہ دار سے کوئی نامناسب حرکت بھی ہو تو درگذر کریں۔ گو اگر انسان اخلاص سے کام لے تو اللہ تعالیٰ ایسی توفیق عطا کر دیتا ہے کہ بھوکا آدمی بھی پیٹ بھرے ہوئے آدمی کی طرح کام کر سکتا ہے۔

(الفضل ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء)

۱؎ نوشیرواں: (انوشرواں) ایران کے ساسانی شہنشاہ خسرو اول کی عربی شکل۔ اپنے باپ قباد کی وفات پر ۵۳۱ء میں تخت نشین ہوا اور ساسانی سلطنت کی حدود کو بحیرہ ابیض اور بحیرہ اسود کے ساحلوں تک پہنچادیا اور ۴۸ سال حکومت کے بعد ۵۷۹ء میں وفات پائی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۳ صفحہ ۴۹۸ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۷ء)

۲؎

۳؎

۴؎ بخاری کتاب الجهاد باب یقاتل من وراء الامام ویتقی به

۵؎ التحریم:۷　　۶؎ البقرة:۱۸۷

۷؎ تذکرہ اولیائے کرام ادبستان صفحہ ۶۹

۸؎ البقرۃ:۴۶

۹؎ تذکرہ صفحہ ۵۸۰- ایڈیشن چہارم

۱۰؎ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل العرب الخ

۱۱؎ بخاری کتاب الجهاد والسیر باب ما یکره من التنازع والاختلاف فی الحرب

۱۲؎ مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلٰوۃ باب استحباب الذکر بعد الصلٰوۃ و بیان صفته